اَلْمُلْکُ عَقِیْم: مأمون کی سیاست کا اہم اصول

ڈاکٹر زاہد علی زاہدی و ڈاکٹر عباس حیدر زیدی *

کلیدی کلمات: بنی عباس، الملک عقیم، ذوالیمینین، ذوالریاستین، ولی عہد، مامون کی سیاست

خلاصہ

مامون وہ عباسی خلیفہ ہے جس کی سیاست پر بظاہر رواداری اور علم دوستی کا اصول حاکم رہا لیکن اس کی سیاسی پالیسی کا ایک اہم اصول ''الملک عقیم '' تھا۔ یعنی ''حکومت بانجھ ہوتی ہے۔'' دوسرے معنوں میں جو بھی اس کی حکومت کے خلاف بغاوت کرے، یا حکومتی امور پر ایسا غلبہ حاصل کرنے کی کوشش کرے کہ اسے اپنی حکومت خطرے میں محسوس ہو تو اسے فوراً اپنے راستے سے ہٹا دیا جائے خواہ وہ اس کی اولاد ہی کیوں نہ ہو۔ مامون نے اپنی حکومت اور تخت کو بچانے کے لئے جو منافقانہ پالیسی اختیار کی اس مقالے میں اُسے تاریخی حوالوں کے ساتھ نمایاں کیا گیا ہے۔ اس کے ساتھ برصغیر کے نامور مؤرخ شبلی نعمانی کی کتاب ''المامون'' کو بھی تنقیدی نگاہ سے دیکھا گیا ہے۔ شبلی نعمانی نے دوسرے مؤرخین کی طرح مامون کو امام رضا علیہ السلام کے قتل جیسے فعل قبیح سے بری قرار دینے کی سعی کی ہے، جس کا اس مقالے میں تنقیدی جائزہ پیش کیا گیا ہے۔

مسلمان حکمرانوں کی تاریخ پر نظر ڈالیں تو ان میں سے بعض حکمرانوں کے دور کو سنہری دور کہا جاتا ہے۔ عام طور پر مؤرخین کے خیال میں وہ دور سنہری دور ہوتا ہے جس میں سیاسی استحکام اور معاشی فارغ البالی ہوتی ہے یا پھر پے در پے فتوحات کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔ مؤرخین نے تو ایسے حکمرانوں کو بھی آئیڈیل حکمران قرار دیا ہے جنہوں نے اپنے مخالفین کو کچل کے رکھ دیا اور ظلم و ستم کو روا رکھنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ جہاں تک حکمرانوں کا تعلق ہے تو کسی اصول، کسی قاعدہ قانون یا کسی اخلاقی و معاشرتی اقدار کے پابند نہیں ہوتے اور اپنا ہر کام آزادی سے کر لیتے ہیں۔ اگر ان کے راستے میں قانون، اصول یا اخلاقی و معاشرتی اقدار آجائے تو اسے روند کے رکھ دیتے ہیں۔ یہ تو ان کے لیے معمولی بات ہے، اگر ان کی راہ میں ان کی اولاد، ان کے بھائی یا ان کا باپ بھی آجائے تو ان کو بھی راستے سے ہٹا دیتے ہیں۔ اس کا ثبوت ان کے وہ جملے ہیں جو تاریخ کی کتابوں میں محفوظ ہو چکے ہیں اور اب عربی زبان کا ضرب المثل بن چکے ہیں۔ اس مقالے میں ہم صرف ایک جملے پر بات کریں گے جو کئی مسلمان حکمرانوں سے منسوب ہے اور وہی اس کا موضوع ہے۔

بنو امیہ سے اقتدار چھیننے کے بعد بنو عباس نے بظاہر ایسی سیاسی حکمت عملی اپنائی کہ جس پر آج بھی پردہ پڑا ہوا نظر آتا ہے۔ تاریخ سے ان حقائق کا پتہ لگانا بظاہر مشکل نظر آتا ہے لیکن اگر جانب داری سے ہٹ کر تاریخ کو پڑھا جائے تو اندازہ ہوتا ہے کہ بنو عباس نے اپنی سیاسی حکمت علمی میں بظاہر رواداری اور علم دوستی کو فروغ دیا لیکن درپردہ انہیں جب بھی اپنے مخلص ساتھیوں سے اقتدار پر قبضہ کرنے کے حوالے سے خطرہ محسوس ہوا، انہیں موت کے گھاٹ اتارنے سے کبھی دریغ نہیں کیا۔ مامون نے بھی ایسی ہی سیاست کو فروغ دیا جس ہیں وہ عوام کے درمیان نیک اور عادل بادشاہ کے طور پر نظر آتا ہے لیکن درپردہ وہ اپنی حکومت کو محفوظ و مضبوط بنانے کے لئے کسی بھی قسم کی کاروائی کرنے سے دریغ کرتا ہوا نظر نہیں آتا۔ اس کی سیاسی پالیسی کا اہم اصول ''الملک عقیم '' تھا۔ یعنی ''حکومت بانجھ ہوتی ہے۔'' دوسرے معنوں میں جو

---

*استاد علوم اسلامی، جامعہ کراچی۔ استاد مطالعہ پاکستان، جامعہ کراچی۔

بھی اس کی حکومت کے خلاف بغاوت کرے، یا حکومتی امور پر ایسا غلبہ حاصل کرنے کی کوشش کرے کہ اسے اپنی حکومت خطرے میں محسوس ہو تو اسے فوراً اپنے راستے سے ہٹا دیا جائے خواہ وہ اس کی اولاد ہی کیوں نہ ہو۔اس کا دور اگرچہ علمی اعتبار سے ترقی کا دور کہلاتا ہے اور اس دور میں مسلمانوں کے مختلف مکاتب فکر گروہوں کے ساتھ ساتھ دیگر مذاہب کے علماء بھی مامون کے دربار میں موجود رہتے تھے لیکن مامون کی سیاسی حکمت عملی یہ تھی کہ جو بھی اس کی حکومت کا مخالف ہو،اس پر کڑی نظر رکھی جائے اور اگر بغاوت کا اندیشہ ہو تو اسے قتل کرنے سے بھی دریغ نہ کیا جائے۔مامون نے یہ روش دراصل اپنے باپ ہارون الرشید سے ورثے میں پائی تھی۔

ہم دیکھتے ہیں کہ مامون کے باپ ہارون الرشید نے اپنے وزیر برمکی اور اسکے دو بیٹوں کو اپنی حکومت کے ابتدائی دور میں اپنے قریب رکھا لیکن جب اسے یہ خدشہ ہوا کہ خاندان برامکہ اس کی حکومت کے خلاف بغاوت کر سکتا ہے تو اس کو تباہ و برباد کر دیا۔اگر بنو عباس کی حکومت کے حوالے سے خاندان برامکہ کے کردار کا جائزہ لیا جائے تو اندازہ ہوتا ہے کہ برمکی خاندان نے بنو عباس کی حکومت کو مضبوط و مستحکم کرنے میں اہم کردار ادا کیا تھا۔آل برمک میں برمک کا لڑکا خالد ایک داعی کی حیثیت سے بنو عباس کے خلیفہ ابو مسلم خراسانی سے مل گیا۔اس طرح جب عباسیوں کی حکومت قائم ہوئی تو اس کے پہلے خلیفہ سفاح نے خالد کو اپنا وزیر نامزد کیا۔پھر منصور دوانیقی کے زمانے تک خالد وزارت کے عہدے پر فائز رہا۔خالد کے بیٹے یحییٰ کی قابلیت سے متاثر ہو کر بنو عباس کے خلیفہ مہدی نے اسے ہارون الرشید کا اتالیق مقرر کیا،اس طرح یحییٰ سے ہارون الرشید کے گہرے مراسم قائم ہوگئے۔اس نے بھی اپنی وفاداری کا ثبوت دیا،چنانچہ جب ہادی نے ہارون کو ولی عہدی سے محروم کرنا چاہا تو یحییٰ نے اسے منع کیا جس کے سبب ہادی نے اپنا ارادہ ترک کر دیا۔

ہارون الرشید نے خلیفہ ہوتے ہی یحییٰ کو اپنا وزیر مقرر کر دیا۔یحییٰ اور اس کے دو بیٹے فضل اور جعفر سلطنت عباسیہ کے تمام امور پر غالب آگئے۔جب یحییٰ بوڑھا ہو گیا تو پہلے فضل اور اس کے بعد جعفر ہارون الرشید کے وزیر مقرر ہوئے۔ہارون الرشید نے یحییٰ کے بیٹوں سے متاثر ہو کر فضل کو اپنے بیٹوں میں سے امین کا اور جعفر کو مامون الرشید کا اتالیق مقرر کر دیا۔ہارون کے زمانے میں آل برامکہ حکومت کے بڑے بڑے عہدوں پر فائز ہوگئے۔رفتہ رفتہ جعفر انتظام سلطنت پر ایسا حاوی ہوا کہ ہارون الرشید بادشاہ ہونے کے باوجود اس کا وزیر معلوم ہونے لگا۔برمکیوں کا یہی عروج بالآخر ان کے زوال کا سبب بن گیا اور ہارون الرشید نے "الملک عقیم" کی پالیسی کے تحت اپنے وزیر جعفر کو قتل کرا دیا۔[1]

اس کے ساتھ ہی یحییٰ کو اس کے بیٹے فضل سمیت قید کر دیا گیا۔چنانچہ نظر بندی کے دوران ہی یحییٰ اور فضل کا انتقال ہو گیا۔اس طرح ہارون الرشید کے دور میں آل برامکہ زوال پذیری کا شکار ہوگئے۔آل برامکہ کے ہارون الرشید سے شروع دور میں گہرے تعلقات اور آخری دور میں انتہائی کشیدہ تعلقات سے بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ بنو عباس کے خلفاء کو جب بھی اپنے اقتدار سے کسی بھی شخص سے خطرہ محسوس ہوا انہوں نے اسے اپنے راستے سے ہٹانے میں دیر نہیں لگائی۔

ہارون نے اپنے بیٹے مامون کو بھی ایک موقع پر یہ بات کہی تھی کہ:

"واللہ لونازعتنی ھذا الامر لأخذت الذی فیہ عیناك فان الملك عقیم"

ترجمہ: "اللہ کی قسم مجھے حکومت اتنی پیاری ہے کہ اگر حکومت کے لئے تو بھی مجھ سے نزاع کرے تو میں تیرا سر پکڑ کر اسے بھی جدا کرنے سے دریغ نہیں کرونگا، کیونکہ (الملک عقیم) حکومت کی کسی سے رشتہ داری نہیں ہوتی۔"[2]

ہارون الرشید نے اپنے بعد امین کو اپنا پہلا ولی عہد اور کچھ عرصے کے بعد مامون کو دوسرا ولی عہد مقرر کر دیا لیکن ہارون الرشید کے انتقال کے بعد اس کے دو بیٹوں امین اور مامون کے درمیان خانہ جنگی ہوئی۔امین کی طرف سے علی بن عیسیٰ اور مامون کی طرف سے طاہر بن حسین کی فوج کے درمیان مقابلہ ہوا۔اب ہم مامون الرشید کے سپہ سالار طاہر بن حسین کے متعلق تاریخ سے شواہد پیش کرتے ہیں کہ اس نے کس طرح مامون کو حکومت دلوانے میں اہم کردار ادا کیا اور مامون نے اس احسان کا کیا بدلہ دیا۔امین کی فوج کے سپہ سالار علی بن عیسیٰ کے

قتل سے لے کر امین کے قتل کئے جانے تک کے حالات میں مامون کے سپہ سالار طاہر بن حسین کا نمایاں کردار تاریخ میں ابھر کر سامنے آتا ہے جس میں اس نے مسلسل فتوحات حاصل کرکے اہواز، یمامہ، بحرین اور عمان کو اپنے قبضے میں لیا جبکہ کوفہ، بصرہ اور موصل کے عمالوں نے خود طاہر کے پاس اپنی اطاعت و فرمانبرداری کے خطوط بھیجے اور آخر میں بغداد کا محاصرہ کرکے اس نے امین کو قتل کیا۔ بغداد کا محاصرہ کرکے طاہر نے اسے تباہ و برباد کردیا۔ اس جنگ میں امین کو شکست ہوئی اور مامون کے پاس اقتدار آگیا۔ طاہر کو اس کی خدمات کے صلہ میں مامون نے اسے ذوالیمینین کا لقب بھی عطا کیا۔ ابن کثیر نے البدایہ والنہایہ میں لکھا ہے کہ طاہر نے امین کے سر کو اپنے عم زاد محمد بن مصعب کے ساتھ بھجوادیا اور اس نے ذوالریاستین کے سپرد کیا اور ذوالریاستین نے سر کو ڈھال پر رکھ کر مامون کے سامنے پیش کیا تو اس نے سجدہ شکر ادا کیا اور سر لانے والے کو ایک کروڑ درہم دینے کا حکم دیا۔ ذوالریاستین نے سر کی حاضری کے وقت طاہر کے خلاف یہ بات کی کہ ہم نے اسے حکم دیا تھا قیدی بنا کر لائے لیکن اس نے اسے مار دیا تو مامون نے اس وقت یہ کہا کہ –"جو ہو چکا سو ہو چکا"۔[3] لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ امین کی ماں زبیدہ پر اس کے قتل کا گہرا اثر ہوا۔ زبیدہ نے جو اشعار امین کے قتل پر مامون کو لکھ کر بھیجے، اس سے مامون کو احساس ہوا کہ زبیدہ کے غم کے نتیجہ میں لوگ اسے ظالم کہیں گے۔ لہٰذا اس نے امین کے قتل کی ساری ذمہ داری طاہر پر ڈال دی چنانچہ مسعودی لکھتا ہے کہ مامون نے خط پڑھ کر کہا:

"اے اللہ میں وہی کہتا ہوں جب حضرت علی ابن ابی طالب نے حضرت عثمان کے قتل کی اطلاع ملنے پر کہا تھا کہ خدا کی قسم نہ میں نے قتل کیا ہے اور نہ حکم دیا ہے، اے اللہ طاہر کے دل کو غم سے ڈھانپ لے۔"[4] اب اسے چاہئے تھا کہ وہ طاہر کو امین کے قتل کے نتیجہ میں سزا دے لیکن اس کے دربار میں طاہر کو مزید تقرب حاصل ہوگیا۔ امین کا قتل ۲۵ محرم ۱۹۸ھ میں ہوا جبکہ امین کے قاتل طاہر بن حسین کو مامون نے سزا دینے کے بجائے مناسب صلا دیا یعنی وہ کل مشرقی حکومت پر جس کی دارالخلافہ بغداد سے شروع ہو کر سندھ تک منتہی ہوتی تھی، نائب السلطنت مقرر ہوا۔ طاہر جانتا تھا کہ وہ اس کے بھائی کا قاتل ہے لہٰذا مامون سے دور رہنے ہی میں بھلائی ہے لہٰذا اس نے مناسب تدبیر کرکے مامون کو قائل کرلیا، چنانچہ مامون نے اسے خراسان کی حکومت بطور سند دی اور دو کروڑ درہم بھی دیئے۔ جب طاہر کو خراسان کی حکومت دی گئی تو ساتھ ہی مامون نے اپنا ایک خاص غلام بھی اس کے سپرد کیا اور درپردہ اسے ہدایت کی کہ اگر طاہر بغاوت پر آمادہ ہو تو اسے زہر دیدے۔ اس سلسلے میں علامہ شبلی نعمانی اپنی کتاب "المامون" میں مامون کی طرف سے زہر دیئے جانے کا اعتراف کرتے ہیں اور اس کی توجیح کرتے ہوئے کہتے ہیں:

"ہم کو شک نہیں کہ طاہر کو زہر دیا گیا اور خود مامون نے زہر دلوایا... لیکن مامون نے جو کچھ کیا سیاست ملکی کے لحاظ سے اس کا ضروری فرض تھا۔"[5]

مامون نے طاہر کو صرف اس شبہ میں کہ اس نے جمعہ کے خطبہ میں مامون کا نام نہیں پڑھا تھا، زہر سے مروادیا۔ اس طرح یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ مامون نے طاہر کو امین کے قتل کی سزا نہیں دی بلکہ خود اپنے خلاف بغاوت کے خوف میں زہر دلوایا۔ شبلی مامون کے ان جرائم سے مکمل طور پر تو انکار نہیں کرتے لیکن وہ اس کے جرم کو ملکی سیاست کے تقاضے کا نام دے کر اسے بچانے کی ہر ممکن کوشش کرتے ہیں۔ اگرچہ مامون کے اشارے پر ہی طاہر کا قتل ہوا لیکن اس نے اس قتل کے الزام سے خود کو بچانے کے لئے طاہر کے بعد اس کے بیٹے طلحہ کو خراسان ہی کی حکومت دی، جسے وہ اس سے پہلے طاہر کو عطا کرچکا تھا۔ یوں اس نے طاہر کے قتل کے اسباب کو مبہم بنادیا لیکن اگر اس کی سیاسی پالیسی کو مدنظر رکھا جائے تو اس واضح طور پر یہ بات آشکار ہو جاتی ہے کہ حکومت کا جو بھی مخالف ہو، اسے قتل کردیا جائے۔

اگر غور کیا جائے تو مامون اور امین کے درمیان معاملات میں ان کے وزراء کا اہم کردار نظر آتا ہے۔ جس طرح امین کی رہنمائی فضل بن ربیع کر رہا تھا اسی طرح مامون کی رہنمائی کا کام فضل بن سہل سرانجام دے رہا تھا۔ مثلاً فضل بن ربیع ہی نے امین کو آمادہ کیا کہ مامون خلافت سے معزول کردیا جائے اور اس کی جگہ موسیٰ کا خطبہ پڑھا جائے۔ اسی طرح جب مامون خلافت حاصل کرنے سے مایوس ہوگیا تو یہ فضل بن

سہل تھا کہ جس نے اس کی ہمت بندھائی اور اسی نے علماء و فضلاء کی مدد سے ملک کی سیاسی فضاء کو مامون کے حق میں ہموار کیا۔ فضل بن سہل کو مامون نے اس کے احسانات کے صلہ میں ذوالریاستین کا لقب بھی دیا۔ لیکن جب مامون یہ محسوس کیا کہ فضل بن سہل اس کے ریاستی امور پر غالب آتا جارہا ہے تو اسے بھی "الملک عقیم" کی پالیسی کے تحت اپنے راستے سے ہٹا دیا۔ مامون نے "قومس" پہنچ کر اسے حمام میں قتل کروایا۔[6]

مامون نے اپنی متعدد کاروائیوں سے اس یقین کو کہ اس نے ذوالریاستین کو قتل کیا ہے، شک میں بدل دیا۔ جیسے :

ا۔ قاتلوں کو گرفتار کرکے لانے والے کو دس ہزار اشرفیاں انعام دیں۔

۲۔ جب قاتلوں نے کہا کہ آپ ہی کے کہنے سے ہم نے فضل کو قتل کیا تو انھیں بھی مروا دیا۔

۳۔ جن اشخاص پر شبہ تھا کہ وہ اس واقعہ کے متعلق جانتے ہیں انھیں بھی قتل کیا۔

۵۔ ذوالریاستین کے قاتلوں کے سر اس کے بھائی حسن بن سہل کو بھجوائے اور تعزیت نامہ میں رنج و غم کا اظہار کیا۔

۶۔ فضل کی ماں کے پاس تعزیت کے لئے گیا اور اسے تسلی دیتے ہوئے کہ آپ صبر کریں اور فضل کے بعد اسے اپنا بیٹا سمجھیں۔

۷۔ ذوالریاستین کے بعد اس کے بھائی حسن کو اس کی جگہ منصب وزارت پر مقرر کیا۔

۸۔ اس کے بھائی حسن بن سہل کی لڑکی "بوران" سے شادی بھی کی۔

حسن بن سہل اپنے بھائی کے قتل سے مختل الحواس ہوگیا۔ جب اپنے بھائی کے صدمے سے اس کے ہوش درست نہ ہوئے تو اس کے پاؤں میں بیڑیاں ڈال دی گئیں اور بالآخر اس کی زندگی کا بھی خاتمہ ہوگیا۔ فضل کے قتل کے حوالے سے شبلی اس بات کے قائل نظر آتے ہیں کہ ذوالریاستین کو مامون نے ہی قتل کرایا۔ وہ کہتے ہیں کہ : "تمام واقعات شہادت دے رہے ہیں کہ ذوالریاستین کا قتل مامون کے ایماء سے ہوا۔" (۷) [7]لیکن وہ اس واقعہ کو ذاتی اور ناگزیر معاملہ قرار دیتے ہیں۔ (۸) [8]اس طرح وہ اپنے مامون کی طرفداری کرتے نظر آتے ہیں۔ حسن بن سہل کے بعد مامون نے احمد بن ابی داؤد کو اپنا وزیر مقرر کر دیا۔ اس واقعہ سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ مامون نے اپنے جرم پر پردہ ڈالنے کے لئے متعدد حربے استعمال کئے تاکہ اپنے ظالمانہ اقدامات کو تحفظ فراہم کیا جاسکے۔

جس سیاسی روش کو مامون نے اپنے وزیر فضل بن سہل اور سپہ سالار طاہر بن حسین کے لئے اختیار کیا اسی روش کو اس نے حضرت امام علی رضا (ع) کے ساتھ بھی روا رکھا۔ بعض مؤرخین حضرت امام علی رضا (ع) کے حوالے سے مامون کی سیاسی روش کو مثبت پیرائے میں پیش کرتے ہیں۔ ان میں برصغیر کے مؤرخ علامہ شبلی نعمانی بھی شامل ہیں۔ شبلی نے اپنی کتاب "المامون" میں مامون الرشید کے تمام اقدامات کو مثبت پیرائے ہیں پیش کیا ہے۔ ہم یہاں حضرت امام علی رضا (ع) کی مامون کے ہاتھوں شہادت کا شبلی نعمانی کی تحقیق کی روشنی میں جائزہ لیتے ہیں۔ شبلی نے حضرت علی رضا (ع) کی ولی عہدی سے متعلق مامون کے اقدامات کو اپنی کتاب "المامون" میں بیان کیا ہے۔ اس سلسلے میں ان کا یہ نظریہ ہے کہ مامون کو بالطبع آل پیغمبر سے محبت تھی۔[9] چنانچہ مامون نے حضرت علی رضا (ع) کو اپنے بعد اپنا ولی عہد بنایا۔ اس نے اس ضمن میں دربار کا لباس سیاہ کے بجائے سبز قرار دیا لیکن اس حکم کی وجہ سے اہل بغداد مامون کے خلاف ہوگئے اور انھوں نے ابراہیم بن المہدی کی بیعت کرلی۔ انہوں نے اس بات کا تجزیہ نہیں کیا کہ اسے امام علی رضا (ع) کی ولی عہدی کی ضرورت کیوں پیش آئی۔ وہ حضرت امام علی رضا (ع) کی شہادت سے متعلق بیان کرتے ہیں کہ : "طوس پہنچ کر دفعتاً انتقال فرمایا۔ کہتے ہیں کہ انگور میں زہر دیا گیا۔"[10] انہوں نے یہ سوال اٹھایا ہے کہ :

"یہ ایک تاریخی سوال ہے کہ "حضرت علی رضا کو کس کے ایما سے زہر دیا گیا۔" مگر ایک خاص فرقے نے اس واقعہ پر مذہبی رنگ چڑھایا ہے۔ شیعہ بلااستثنا اس پر متفق ہیں کہ خود مامون نے زہر دلوایا۔"[11]

انہوں نے یہ بھی دعویٰ کیا ہے کہ: ”ایک مورخ نے بھی مامون پر اس الزام کو لگانے کی جرات نہیں کی ہے۔“[12] وہ وضاحت کرتے ہیں کہ:

”مامون نے حضرت علی رضا کو ولیعہد خلافت مقرر کیا تو اس سے کوئی سازش مقصود نہ تھی، حضرت علی رضا کوئی ملکی شخص نہ تھے اور نہ اس سے حکومت عباسیہ کو کسی خطرہ کا احتمال تھا جیسا کہ شیعوں کا دعویٰ ہے۔“[13]

پھر وہ کہتے ہیں کہ: ”مامون پر یہ غلط اتہام ہے۔ بے شبہ مامون کے خاندان والے حضرت علی رضا کی ولیعہدی سے ناراض تھے۔ انھیں میں سے کسی نے یہ بے ہودہ حرکت کی ہوگی۔“[14]

ہمیں شبلی اس بات کے تو قائل نظر آتے ہیں کہ مامون کے ولیعہد حضرت امام علی رضا (ع) کو زہر دیا گیا لیکن وہ اس بات کو تسلیم نہیں کرتے کہ مامون کے اشاروں سے ان کو زہر دیا گیا۔ اپنی بات کی وضاحت میں ان سے تاریخی لحاظ سے بعض غلطیاں بھی سرزد ہوئی ہیں۔ جیسے انکا یہ کہنا تاریخ سے انحراف ہے کہ حضرت علی رضا نہ تو کوئی ملکی شخص تھے اور نہ ان سے حکومت عباسیہ کو کوئی خطرہ تھا۔ جبکہ خود انھوں نے تحریر کیا ہے کہ مامون نے کہا: ”نہ میں اور نہ ہی آل نبی میں آج کوئی ایسا شخص موجود ہے جو استحقاق خلافت ہیں حضرت علی رضا کے ساتھ ہمسری کا دعویٰ کر سکے۔“[15] تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ مامون پر حضرت امام علی رضا کے قتل کا الزام شروع دن سے ہی لگ گیا تھا۔ اس وقت بعض شاعروں نے ان کی وفات پر اشعار بھی کہے، جس میں مامون کو حضرت امام علی رضا کا قاتل قرار دیا گیا۔ ذیشان حیدر جوادی علامہ شبلی کے اس رویے پر علمی تنقید کرتے ہوئے کہتے ہیں:

”علامہ شبلی نے اس امر میں شبہ ظاہر کیا ہے کہ آپ کو مامون نے زہر دیا ہو کہ یہ مامون کے مزاج اور اس کی علم دوستی کے خلاف ہے۔ حالانکہ جو شخص اپنے بھائی کو معاف نہیں کر سکتا ہے اس سے امام کے بارے میں کیا توقع کی جا سکتی ہے۔“[16]

اسی کے ساتھ انھوں نے ان کتابوں کے نام گنوائے ہیں، جن میں مامون کے زہر دینے کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ جس کے بعد وہ کہتے ہیں:

”یہ کہنا انتہائی زیادتی ہوگی کہ مامون کے زہر دینے کا تذکرہ علماء اہلسنت کی کتابوں میں نہیں ہے اور یہ صرف شیعوں کی طبع زاد روایت ہے جو مامون کی عداوت میں وضع کی گئی ہے۔“[17]

اگر ہم دقت نظر سے حالات و واقعات کا جائزہ لیں تو معلوم ہوتا ہے کہ مامون کبھی یہ نہیں چاہتا تھا کہ حضرت علی رضا تک حکومت پہنچ جائے۔ اس نے خلافت حاصل کرنے کے لئے اپنے بھائی امین کو زندہ نہیں چھوڑا تھا اور بڑی مشکل سے خلافت پر قابض ہوا تھا اور اسی کے ساتھ علویوں کی مسلسل تحریکوں نے اس کی حکومت کو متزلزل کر دیا تھا۔ محمد بن ابراہیم معروف بہ طباطبا جو حضرت امام حسن کے پوتوں میں سے تھے انہوں نے کوفہ میں قیام کیا، زید بن موسیٰ جو حضرت امام علی رضا (ع) کے بھائی تھے، انہوں نے بصرہ میں تحریک شروع کی تھی۔ محمد بن جعفر جو حضرت امام جعفر صادق (ع) کے فرزند تھے، انہوں نے مکہ میں مامون کی حکومت کے خلاف قیام کیا، ابراہم بن موسیٰ جو حضرت امام علی رضا (ع) کے بھائی تھے انہوں نے یمن میں قیام کیا، اسی طرح حسین بن ہرش کی سرکردگی میں علویوں کی ایک اور تحریک وجود میں آئی، چنانچہ حضرت امام علی رضا کو ولیعہد بنانے کا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ ان تحریکوں کو کچلا جاسکے۔ اسی لئے ان کے ولیعہد بننے کے بعد ہمیں تاریخ میں کوئی علوی تحریک نظر نہیں آتی۔ ”بحار الانوار“ میں ہے کہ مامون نے عباسیوں کو جواب دیا تھا کہ علی بن موسیٰ کی ولی عہدی کا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ عباسیوں کے خون کو بہنے سے روکا جاسکے اور ان کی جان کا تحفظ کیا جاسکے۔[18] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نے ان تحریکوں کے خلاف عباسیوں کو بچانے اور اپنی حکومت کے استحکام کے لئے حضرت علی رضا (ع) کو ولی عہد بنایا۔ مقاتل الطالبیین میں اس بات کا ذکر کیا گیا ہے کہ مامون نے ان کے ولی عہدی سے انکار کی صورت میں ان کو دھمکی آمیز جملے بھی کہے۔[19] شیخ صدوق نے ایک روایت بیان کی ہے کہ جس میں مامون نے حضرت امام علی رضا (ع) کو ولی عہدی قبول نہ کرنے کی صورت میں قتل کی دھمکی دی تھی۔ چنانچہ اس طرح روایت آئی ہے:

"یہ سن کر مامون کو غصہ آیااور کہنے لگا: آپ تو ہمیشہ ایسی ہی باتیں کیا کرتے ہیں جو مجھے ناپسند ہوتی ہیں یہ سب کچھ میری ڈھیل اور رعایت کا نتیجہ ہے۔اچھااب خدا کی قسم! اگر آپ نے ولی عہدی قبول کرلی تو بہتر ورنہ میں جبراً آپ کو ولی عہد بناؤں گا۔اگر اس پر بھی آپ نے قبول نہ کیاتوآپ کی گردن اُڑادوں گا۔"[20]

شبلی کا یہ کہنا کہ ایک مورخ نے بھی مامون پر الزام لگانے کی جرات نہیں ہے، تاریخی حقائق سے انحراف ہے۔اہل تشیع کی تاریخ کی کئی کتابوں میں ایسی روایات آئی ہیں کہ جن سے معلوم ہوتا ہے کہ مامون نے ہی امام کو زہر دیا۔ شیخ الصدوق نے اس سلسلے میں کئی روایات نقل کی ہیں۔[21] علامہ مجلسی نے اپنی کتاب "بحار الانوار" میں نقل کیا ہے کہ امام رضا (ع) کی وفات ۱۷صفر بروز منگل ۲۰۳ھ میں ہوئی اور مامون نے آپ کو انگور میں زہر پیوستہ کرکے کھلادیا تھا۔اس وقت آپ کی عمر ۵۱ سال کی تھی۔[22] اسی طرح تاریخ کی دیگر کتابوں کے مورخین نے بھی امام علی رضا (ع) کے انگور کھانے کے سبب اچانک فوت ہونے کو بیان کیا ہے۔تاریخ ابن خلدون میں ہے کہ جس وقت خلیفہ طوس پہنچا ،خلافت کے ولی عہد علی رضا کی وفات اچانک ماہ صفر کے آخری ایام ۲۰۳ھ میں انگور کے کھانے سے ہوگئی۔[23] اسی طرح مسعودی کا کہنا ہے کہ مامون کی خلافت میں علی بن موسیٰ رضا طوس میں زہر کے باعث وفات پاگئے۔[24] شبلی کا کہنا ہے کہ مامون پر حضرت علی رضاؑ کے قتل کے الزام پر علامہ ابن اثیر نے تعجب کااظہار فرمایاہے۔اگر ابن اثیر کے الفاظ پر نظر ڈالی جائے تووہ کہتا ہے کہ :

"آپ کی موت کا سبب یہ تھاکہ انگور کھانے میں زیادتی ہوگئی تھی اور اچانک فوت ہوگئے۔کہا جاتا ہے کہ مامون نے انھیں انگور کے ذریعے زہر دیاہےاور علی (رضا) انگور پسند کرتے تھے اور میرے نزدیک یہ بعید ہے۔"[25]

ہمیں اس بات پر حیرت ہے کہ ابن اثیر انگور کھانے میں زیادتی کی وجہ سے اس بات کے قائل ہیں کہ آپ کی وفات ہوئی لیکن اس بات کے قائل نہیں کہ مامون نے زہر دیا۔اس کے علاوہ ایک بات جو تقریباً تمام مورخین نے کہی ہے اور شبلی بھی اس بات کے قائل ہیں، وہ یہ ہے کہ حضرت امام علی رضا (ع) کو زہر دیا گیا لیکن انہوں نے اس بات کا تجزیہ نہیں کیا کہ مامون نے ان کے قاتلوں کے حوالے سے کیا اقدامات کیے کیونکہ تاریخ میں نہیں ملتاکہ اس نے اپنے ولی عہد کے قاتلوں کے حوالے سے کوئی عملی اقدام کیا ہو۔اس سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے کہ مامون ہی ان کا قاتل ہے۔ فضل بن سہل اور طاہر بن حسین کی طرح مامون نے اپنی اسی پرانی روش کو بروئے کار لاتے ہوئے حضرت امام علی رضا(ع) کی شہادت کے اسباب کو بھی مبہم کردیا، جنہیں اس طرح رقم کیا جاسکتا ہے:

۱۔ حضرت امام علی رضا کی شہادت پر اس نے شدید غم واندوہ کا اظہار کیا۔چنانچہ وہ جنازے کے ساتھ ننگے سر گیا، تین دن تک قبر پر بیٹھا رہااور اس دوران اس نے روٹی اور نمک پر گزارا کیا۔

۲۔اس نے اپنے باپ ہارون الرشید کی قبر کے ساتھ امام کو دفن کیا۔

۳۔ حضرت امام علی رضا (ع) کی شہادت کے بعد ان کے بیٹے اور جانشین حضرت امام محمد تقی کو بلوایا اور ان سے اپنی بیٹی ام فضل کا نکاح کیا۔

ایک خاص بات جو نظر آتی ہے وہ یہ ہے کہ حضرت علی رضا، فضل بن سہل اور طاہر بن حسین کے قتل کے بعد مامون نے ان کی اولاد یا خاندان والوں کے ساتھ اپنے جرائم چھپانے کے لئے جس طرح ہمدردی اور محبت کا اظہار کیا شبلی ان کو مامون کے مثبت کردار کے ثبوت میں پیش کرتے ہیں لیکن خود ان اشخاص کو کس جرم کی سزادی،اس کو کبھی وہ ایک ذاتی اور ناگزیر معاملہ قرار دیتے ہیں، کبھی ملکی سیاست کا تقاضہ کہتے ہیں اور کبھی مصلحت سے کام لیتے ہوئے قتل کے اصل محرک سے ہی انکار کردیتے ہیں۔اصل بات وہی ہے جس عنوان پر یہ مقالہ لکھا گیا ہے یعنی الملک عقیم ریاست بانجھ ہوتی ہے اور وہ اپنی اولاد کی بھی نہیں ہوتی وقت پڑنے پر اپنی اولاد اور اپنے بھائی کو بھی راستے سے ہٹا سکتی ہے ایسے میں اگر مامون نے امام علی رضا (ع) کو راستے سے ہٹادیا تو کون سی انہونی بات ہوگئی اور شبلی یاان کے ہمنوا کو کیوں اس پر حیرت ہوتی ہے؟

جہاں تک مامون یا اس کے باپ ہارون یا کسی اور بنی امیہ یا بنو عباس کے حکمرانوں کی علم دوستی کا تعلق ہے تو اس کے لیے ایک الگ مقالے کی ضرورت ہے جس میں یہ واضح کیا جائے گا کہ ان حکمرانوں کی علم دوستی دراصل ایک علمی و ذہنی عیاشی کے سوا کچھ نہیں تھی تاکہ معاشرے میں ان کا ایک تاثر بھی قائم رہے اور علماء کو دربار میں بلاکے انہیں درباری مزہ چکھادیا جائے اور بعد ازاں ان کو اپنا ہم نوا بنالیا جائے لیکن اگر وہ انکار کریں تو ان کے ساتھ وہ سلوک کیا جائے جو امام ابو حنیفہ، امام احمد بن حنبل یا ابن سکیت کے ساتھ کیا گیا۔

حوالہ جات

1۔ طبری، تاریخ الطبری، مراجعۃ و تصحیح وضبط : نخبۃ من العلماء الأجلاء، مؤسسۃ الأعلمی للمطبوعات - بیروت - لبنان، قوبلت ہذہ الطبعۃ علی النسخۃ المطبوعۃ بمطبعۃ "بریل" بمدینۃ لندن فی سنۃ ۱۸۷۹م - ج ۶ - ص ۴۸۵

2۔ شیخ الصدوق، عیون أخبار الرضا (ع)، تصحیح و تعلیق وتقدیم : الشیخ حسین الأعلمی، ۱۴۰۴ - ۱۹۸۴م، مؤسسۃ الأعلمی للمطبوعات - بیروت - لبنان، ج ۲ - ص ۸۶

3۔ ابن کثیر، عماد الدین ابو الفداء، البدایۃ والنہایۃ، بیروت، دار الفکر، ۱۴۰۷ھ/۱۹۸۶ء، ج ۱۰، ص ۲۴۳

4۔ مسعودی، أبو الحسن علی بن الحسین بن علی، مروج الذہب و معادن الجوہر، تحقیق: أسعد داغر، قم، دار الہجرۃ، ط الثانیۃ، ۱۴۰۹ھ، ج ۳، ص ۴۱۵

5 نعمانی، علامہ شبلی، المامون، باہتمام: خلیل اشرف عثمانی، دار الاشاعت، اردو بازار، کراچی، طبع اول، ذوالحجہ ۱۴۱۲ھ، ص ۷۰

6۔ أحمد بن أبی یعقوب بن جعفر بن وہب ابن واضح الکاتب العباسی المعروف بالیعقوبی، تاریخ الیعقوبی، ج ۲ - ص ۴۵۱

7۔ نعمانی، علامہ شبلی، المامون، باہتمام: خلیل اشرف عثمانی، دار الاشاعت، اردو بازار، کراچی، طبع اول، ذوالحجہ ۱۴۱۲ھ، ص ۶۲

8۔ ایضاً، ص ۶۲

9۔ ایضاً، ص ۵۷

10۔ ایضاً، ص ۶۳

11۔ ایضاً، ص ۶۳

12۔ ایضاً، ص ۶۳۔ ۶۴

13۔ ایضاً، ص ۶۴

14۔ ایضاً، ص ۶۴

15۔ ایضاً، ص ۵۷

16۔ جوادی، ذیشان حیدر، نقوش عصمت، تنظیم المکاتب، لکھنؤ، انڈیا، دوسرا ایڈیشن، اگست ۱۹۹۶ئ، ص ۵۴۰

17۔ نقوش عصمت، ذیشان حیدر جوادی، تنظیم المکاتب، لکھنؤ، انڈیا، دوسرا ایڈیشن، اگست ۱۹۹۶ئ، ص ۵۴۰

18۔ مجلسی، محمد الباقر، بحار الأنوار، الثانیۃ المصححۃ، ۱۴۰۳ھ - ۱۹۸۳ء، مؤسسۃ الوفاء - بیروت - لبنان، دار احیاء التراث العربی، ج ۴۹، ص ۲۱۳

19۔ اصفہانی، أبو الفرج علی بن الحسین، مقاتل الطالبیین، تحقیق: السید أحمد صقر، بیروت، دار المعرفۃ، مجہولۃ التاریخ۔ ص ۴۵۵

20۔ شیخ صدوق، ابی جعفر محمد بن علی بن حسین بابویہ قمی، عیون أخبار الرضا، تصحیح و تعلیق وتقدیم : الشیخ حسین الأعلمی، ۱۴۰۴ھ - ۱۹۸۴ء، مطابع مؤسسۃ الأعلمی - بیروت - لبنان، ج ۱، ص ۱۵۲

21۔ایضاً، ج۱، ص۲٦۹

22۔ مجلسی، محمد الباقر، بحار الأنوار، الثانیۃ المصححۃ، ۱۴۰۳ھ — ۱۹۸۳ء، مؤسسۃ الوفاء - بیروت - لبنان، دار احیاء التراث العربی، ج۴۹، ص۲۹۳

23۔ابن خلدون، عبدالرحمٰن بن محمد، تاریخ ابن خلدون، تحقیق: خلیل شحادۃ، بیروت، دار الفکر، ط الثانیۃ، ۱۴۰۸ھ/۱۹۸۸ء، ج۳، ص۳۱۳

24۔مسعودی، أبو الحسن علی بن الحسین بن علی، مروج الذہب و معادن الجوہر، تحقیق: أسعد داغر، قم، دار الہجرۃ، ط الثانیۃ، ۱۴۰۹ھ، ج۳، ص۴۱۷

25۔ابن اثیر، عزالدین أبوالحسن علی بن أبی الکرم، الکامل فی التاریخ، دار صادر، بیروت، ۱۳۸۵ھ/۱۹٦۵ء، ج٦، ص۳۵۱۔